التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد۹ شمارہ ۱۷، جنوری تا مارچ ۲۰۱۲ء

مدارس ہائے نظامیہ

(اصفہان، مرو، موصل، آمل، بصرہ، ہرات، بلخ، جزیرہ ابن عمر، خرگرد، رے)

ڈاکٹر محمد سہیل شفیق

Abstract

Madaris had played significant role in Muslim educational and cultural history. Madaris-e-Nizamia are the great Muslim educational institutions founded by Seljuk's Prime Minister Khwaja Nizam al-Mulk al-Tusi , in several cities of the state.

These Madaris gave enormous scholars to Islamic world whose intellectual works are still benefiting Islamic world.

Present article shed the light on the history of Madaris-e-Nizamiyah Isfahan, Marw, Aamul, Basra, Hirat, Balkh, Jazera Ibn Umar, Khirgard (Khwaf) and Rey and also stated the life of some of the teachers and students of these Madaris.

نظام الملک طوسی نے اپنے عہد وزارت میں جو مدرسے قائم کیے وہ سب نظامیہ کہلائے اور اپنے شہروں کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ مدرسہ نظامیہ بغداد(۱) ان مدارس میں سب سے اہم اور عظیم الشان مدرسہ تھا۔ دوسرا اہم مدرسہ، مدرسہ نظامیہ نیشاپور(۲) تھا جس کا تذکرہ گزشتہ مقالہ میں کیا جاچکا ہے۔

سلجوقی سلطنت کا کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جس میں نظام الملک نے مدرسہ قائم نہ کیا ہو۔ اس سلسلے میں درج ذیل گیارہ شہروں کے نام ملتے ہیں جہاں مدارس نظامیہ قائم تھے:

نیشاپور، بغداد، اصفہان، آمل طبرستان، بصرہ، بلخ، جزیرہ ابن عمر،
خرگرد (خواف)، مرو، موصل اور ہرات(۳)

اس مقالہ میں ہم ان مدارس ہائے نظامیہ (ماسوا نظامیہ نیشاپور و بغداد) کا تذکرہ کریں گے جو عموماً پردۂ اخفا میں رہے اور تاریخ میں ان کے حالات پر بہت کم روشنی ڈالی گئی۔

نظامیہ اصفہان

اصفہان، عراق عجم (ایران) کا ایک ممتاز شہر ہے۔ چوتھی صدی ہجری میں اصفہان شیعی مذہب کے امراء کا مرکز حکومت بنا۔ آل زیاد اور آل بویہ نے اسے اپنا مستقر بنایا۔ ۴۴۳ھ کے زمانے میں اصفہان عالم اسلام کا سیاسی مرکز اور اس زمانہ کے دنیا کے بڑے شہروں میں سے ایک شہر تھا۔ مشہور ایرانی شاعر اور سیاح ناصر خسرو، جس نے سلجوقی حکومت کے آغاز میں اصفہان کی سیر کی تھی، لکھتا ہے:

> ”میں نے فارسی بولنے والوں کے پورے علاقے میں اصفہان سے بڑھ کر صاف، بڑا اور آباد شہر نہیں دیکھا۔“(۴)

ابن بطوطہ اصفہان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> ”اپنی آبادی، رونق، ثروت اور خوبیوں کے باعث اصفہان مشہور آفاق تھا۔ چنانچہ اس کا نام ہی 'اصفہان نصف جہان' پڑ گیا تھا۔ یعنی جس نے اصفہان کی سیر کر لی، اس نے آدھی دنیا کی سیر کر لی۔(۵)

اصفہان، سلجوقیوں کے دور میں ایک اہم علمی و ادبی مرکز رہا۔ تین عظیم سلجوقی

بادشاہوں یعنی طغرل بیگ، الپ ارسلان اور ملک شاہ سلجوقی کے عہد حکومت اور خواجہ نظام الملک کے دور وزارت میں اصفہان نے نمایاں ترقی کی۔ ملک شاہ سلجوقی نے اصفہان کو اپنا مستقر حکومت بنایا اور مشہور مدرسہ ملک شاہی کی بنیاد رکھی۔ خواجہ نظام الملک نے مدرسہ نظامیہ قائم کیا جو اہمیت میں نیشاپور کے بعد آتا تھا۔ خواجہ نے خجندی خاندان کے افراد کو شہر کی مذہبی سرداری اور مدرسہ نظامیہ میں تدریس پر مقرر کیا۔ (۶)

ذوق تعمیر میں سلجوقی بہت ممتاز تھے، اس لیے نظام الملک کی تعمیرات بھی عجائبات میں شمار کی جاتی ہیں۔ اس کی مثال نظامیہ اصفہان میں ایک مینارہ کا زینہ تھا، چنانچہ مینارہ پر جانے کے لیے اگر بیک وقت تین آدمی اس کی تین سیڑھیوں پر چڑھتیں تو مینارہ کے اوپر پہنچنے تک ان میں سے کوئی دوسرے کو نظر نہیں آتا تھا۔ (۷)

مدرسہ نظامیہ اصفہان اپنے معروف مدرس صدرالدین خجندی کے نام پر "صدریہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ (۸) خجندی خاندان، اصفہان کے سربرآوردہ شافعیہ میں سے تھا۔ اس خاندان کے کئی افراد مدرسہ نظامیہ بغداد میں بھی منصب تدریس پر فائز ہوئے۔ جن میں سے بعض کا ہم یہاں تذکرہ کرتے ہیں:

محمد بن ثابت بن الحسن بن علی بن ابوبکر خجندی: محمد بن ثابت بن الحسن بن علی بن ابوبکر خجندی کو نظام الملک نے مرو سے اصفہان بلایا۔ (۹) اور نظامیہ اصفہان میں منصب تدریس سونپا۔ آپ کا شمار اصفہان کے آئمہ علماء میں ہوتا تھا۔ اطراف و اکناف کے لوگ نظامیہ اصفہان کے لیے رخت سفر باندھ کر حاضر ہوتے اور آپ سے کسب علم کرتے۔ آپ "روضة المناظر و زوائد المذر" کے مولف ہیں۔ ۴۸۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۰)

احمد بن محمد بن ثابت ابن الحسن ابوسعد خجندی: احمد بن محمد بن ثابت ابن الحسن ابوسعد خجندی، نظامیہ اصفہان کے طالب علم تھے۔ آپ نے اپنے والد امام ابوبکر خجندی اصبہانی سے فقہ سیکھی اور بغداد میں کئی بار نظامیہ کی تدریس سنبھالی۔ ۵۳۱ھ میں نوے سال کی عمر میں آپ نے اصفہان میں وفات پائی۔ (۱۱)

ابو علی اصفہانی: ابو علی اصفہانی، حسن بن سلیمان بن فتی نحروانی، نظامیہ اصفہان میں

آپ نے فقہ پڑھی۔ (۱۲) ۵۴۱ھ میں آپ نے نظامیہ بغداد میں منصب تدریس سنبھالا اور اپنی وفات تک یعنی شوال ۵۲۵ھ تک اس پر برقرار رہے۔ (۱۳)

الحسن بن محمد بن الحسن المعروف شیخ فخرالدین ابوالمعالی: آپ نے آل خجند کی نیابت میں نظامیہ اصفہان میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ آپ کا انتقال ۵۵۹ھ میں ہوا۔ (۱۴)

قاضی ارجانی: قاضی احمد بن محمد ارجانی، اہواز کے ایک قصبہ ارجان کے رہنے والے تھے۔ آپ نے نظامیہ اصفہان میں تعلیم حاصل کی اور منصب قضا پر فائز ہوئے۔ (۱۵)

ابوالعباس احمد بن سلامہ ابن عبداللہ الرطبی: آپ نے نظامیہ بغداد میں ابو اسحاق شیرازی اور ابن صباغ سے اور نظامیہ اصفہان میں ابوبکر خجندی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ ۵۴۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۱۶)

نظامیہ اصفہان کا کتب خانہ: مدرسہ نظامیہ اصفہان میں ایک بڑا کتب خانہ بھی موجود تھا جو ایک وسیع مدرسہ کی ضروریات کے مطابق تھا۔ عماد کاتب اصفہانی اور جمال الدین نحکلی نے اس کتاب خانے کے لیے مختص لائبریرین اور اس کی نفیس کتابوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۱۷)

اوقاف: مدرسہ نظامیہ اصفہان کے لیے دس ہزار دینار کی جاگیر اور جائداد وقف تھی۔ (۱۸)

<u>نظامیہ مرو</u>

نیشاپور اور اصفہان کے بعد مرو کا درجہ ہے۔ یہ شہر مرو شاہجہاں کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے۔ مرو کا تاریخی شہر اسلامی علوم و معارف کی تاریخ میں ایک ممتاز مقام کا حامل ہے۔ عہد اموی میں خراسان کا مرکز یہی شہر تھا۔ عباسی دعوت کا مرکز بھی مرو ہی تھا۔ اس قدیم شہر نے چھ صدیوں سے زیادہ عرصہ تک فارسی اور عربی علم و ادب کی جو خدمت کی، اس نے اس شہر کو اسلامی علوم و معارف کے ایک پر رونق مرکز کے طور پر ہمیشہ کے لیے مشہور کر دیا۔

عباسی خلیفہ مامون الرشید کے عہد میں ابتداً دارالسلطنت رہا۔ سلجوقی دور میں ممتاز مقام اور نمایاں رونق و شان حاصل کی۔ طغرل بیگ کے بھائی چغری بیگ داؤد کا پایہ تخت بھی یہی شہر تھا۔ چغری بیگ کے بعد اس کا بیٹا الپ ارسلان مرو ہی کا حاکم تھا۔ یہیں نظام الملک نے اس کی ملازمت اختیار کی تھی۔ گویا خواجہ نظام الملک کی بلند اقبالی کا نقطہ آغاز بھی مرو ہی تھا۔ اخیر

اخیر میں سلطان سنجر سلجوقی کا دارالحکومت بھی یہی تھا۔

بالخصوص سنجر سلجوقی کے نسبتاً طویل دور میں مرو کا شمار اہم علمی مراکز میں ہونے لگا اور شرق اسلام کے بہترین حصہ کی فرماں روائی کا مرکز بنا۔ سلطان سنجر کو اس شہر سے خاص تعلق و وابستگی تھی۔ اپنی وسیع و عریض سلطنت کے باوجود اس نے مرو کو تمام شہروں پر ترجیح دی اور آخر دم تک وہ اس شہر میں رہا۔(۱۹)

مرو میں مدارس، علمی مجامع، اور اہم کتب خانوں کی موجودگی، گویا علم و ادب کے پیاسوں کے لیے اس میں سیرابی کا کافی سامان تھا۔ مشہور اسلامی مورخ اور جغرافیہ دان یاقوت حموی نے ایک عرصہ تک اس شہر کے نفیس علمی خزانوں سے استفادہ کیا اور اس کے خرمن دانش کی خوشہ چینی کی ہے۔ جب اسے مغلوں کے قبضہ کے خطرہ کے پیش نظر اس شہر سے مجبوراً نکلنا پڑا تو اس نے مرو سے اپنی وابستگی اور گہرے تاثرات کو یوں بیان کیا:

> "۶۱۶ھ میں مجھے مرو شہر چھوڑنا پڑا تو اس وقت یہ شہر اہم ترین علمی و سماجی مقام رکھتا تھا۔ میں تین سال تک اس شہر میں مقیم رہا ہوں اور اگر مغلوں کے حملہ کا خطرہ نہ ہوتا تو میں آخری سانس تک یہاں سے نہ نکلتا۔ اس شہر میں وقف کردہ کتابوں کے دس خزانے تھے کہ میں نے کتابوں کی بہتات اور خوبی کے لحاظ سے دنیا میں ان کی نظیر نہیں پائی۔ ان میں سے ایک خزانۃ الکتب نظام الملک حسن بن اسحاق تھا جو اس کے مدرسے میں تھا۔ ان کتب خانوں سے استفادہ بہت ہی آسان تھا۔ ان کتب خانوں کی دو سو سے زیادہ کتابیں جن کی قیمت دو سو دینار تھی۔ کسی زرِضمانت کے بغیر میرے گھر میں تھیں۔ میں جستجو و تحقیق سے ان کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا اور ان سے خوب استفادہ کرتا رہا۔ ان کتابوں کی محبت نے ہر شہر اور علاقے کو مجھ سے بھلا دیا اور مجھے اہل و عیال سے بھی غافل کر دیا۔ اس کتاب (معجم البلدان) اور میری دیگر تصانیف کے مطالب دراصل ان نفیس خزانوں سے میری خوشہ چینی کے ثمرات

> ہیں۔"(۲۰)

محرم ۶۱۷ھ کے اوائل میں مغلوں نے مرو شہر پر قبضہ کرنے کے بعد شہر کے چھوٹے بڑے تمام باشندوں کو تہ تیغ کر دیا اور کسی ایک کو بھی زندہ نہ رہنے دیا۔ اس کے بعد شہر کو آگ لگا دی۔ خزانوں اور دفینوں کے لالچ میں قبروں کو اکھاڑا اور اسی طرح مسجدوں، انجمنوں، مدرسوں اور دیگر شاندار عمارتوں کو ویرانے میں تبدیل کر دیا۔(۲۱)

خواجہ نظام الملک مدارس نظامیہ کی تاسیس کے لیے جب کسی شہر کا انتخاب کرتا تھا تو ہر چیز سے زیادہ اس مقام کی علمی و سماجی حیثیت کو مدنظر رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ان مدارس میں سے ایک مرو میں بنایا جو خراسان کے بڑے شہروں میں سے ایک تھا اور علمی و ادبی رونق کا حامل تھا۔ نظامیہ مرو پانچویں صدی ہجری کے نصف دوم سے لے کر ساتویں صدی ہجری کے اوائل تک قائم رہا۔(۲۲)

تاہم ہمیں اس مدرسہ کے کام کی کیفیت اور اس کے آغاز و انجام کے بارے میں تاریخی معلومات بہت ہی کم دستیاب ہیں۔ ذیل میں نظامیہ میں مقیم رہنے والے چند مدرسین اور طلباء کا تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔

ابوالفتح اسعد بن ابی نصر بن ابی الفضل المیہنی: ابوالفتح اسعد بن ابی نصر بن ابی الفضل المیہنی، الفقیہ الشافعی، الملقب مجد الدین، آپ فقہ اور خلافیات میں سبقت کرنے والے امام تھے۔ آپ نے نظامیہ مرو میں فقہ کی تعلیم حاصل کی، پھر غزنی چلے گئے اور اس علاقے میں شہرت پائی اور آپ کے کمال کی خبر پھیل گئی۔ پھر آپ بغداد آئے۔

بغداد میں دو مرتبہ مدرسہ نظامیہ کی تدریس آپ کے سپرد کی گئی۔ پہلی مرتبہ ۵۰۷ھ میں، پھر ۱۸ شعبان ۵۱۳ھ میں آپ کو معزول کر دیا گیا۔ دوسری مرتبہ شعبان ۵۱۷ھ میں، پھر آپ اسی سال ذوالقعدہ میں العسکر شہر کی طرف چلے گئے اور لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا اور آپ سے فائدہ اٹھایا۔ ۵۲۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۲۳)

ابوبکر السمعانی محمد بن منصور: ابوبکر السمعانی محمد بن منصور ابن محمد بن عبدالجبار، ادیب، شاعر اور فاضل آدمی تھے۔ آپ نے بہت سماع حدیث کیا، حدیث کا درس دیا اور نظامیہ بغداد

اور مرو میں وعظ کیا۔ نظامیہ مرو میں ۱۴۰ مجالس املاء کروائیں۔ آپ کو احادیث کی معرفت تامہ حاصل تھی۔ ۵۱۰ھ میں ۴۳سال کی عمر میں مرو میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۲۴)

نظامیہ موصل

یہ مشہور ہے کہ دنیا کے بڑے شہر تین ہیں۔ نیشاپور جو مشرق کا دروازہ ہے، دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے اور موصل جو مشرق ومغرب کی گزرگاہ ہے۔(۲۵) آغاز اسلام سے قبل، موصل میں ایک قلعہ اور اس کے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں یہ شہر کی حیثیت سے آباد ہوا۔ ہرثمہ بن عرفجہ نے اس کی بنیاد رکھی اور قبائل عرب کے متعدد محلے آباد کیے۔ ایک جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔(۲۶)

نظام الملک نے یہاں بھی ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس کے شیوخ میں درج ذیل افراد نمایاں ہیں:

ابوالعباس احمد بن نصر انباری: ابوالعباس احمد بن نصر انباری، علمائے موصل میں سے تھے۔ مذہب کی کامل معرفت رکھتے تھے۔ ابتدا میں بغداد میں منصب قضا کی نیابت کی، پھر موصل لوٹ گئے اور مدرسہ نظامیہ موصل میں تدریس میں مشغول ہوئے۔ ۵۹۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۲۷)

ابوحامد محمد بن القاضی کمال الشہر زوری: ابوحامد محمد بن القاضی کمال الشہر زوری، الملقب محی الدین، آپ بغداد آئے اور شیخ ابومنصور بن الرزاز سے فقہ سیکھی اور ممتاز ہوگئے۔ پھر شام گئے، اور اپنے والد کی نیابت میں دمشق کے قاضی بنے، اس کے بعد حلب گئے اور وہاں بھی اپنے والد کی نیابت میں ماہ رمضان ۵۵۵ھ میں قاضی بنے۔

شعبان ۵۷۳ھ میں ملک صالح اسماعیل بن نور الدین حاکم حلب نے مملکتِ حلب کی تدبیر آپ کے سپرد کردی۔ کچھ عرصے بعد آپ موصل چلے گئے، وہاں کے قاضی بنے، اور اپنے والد کے مدرسہ نظامیہ میں پڑھانے لگے۔ حاکم موصل عز الدین مسعود بن قطب الدین مودود بن زنگی کے دربار میں آپ کا بڑا رتبہ تھا۔ آپ حاکم موصل کی جانب سے کئی بار اس کے سفیر کی حیثیت سے بغداد گئے(۲۸)

آپ کی ولادت ۵۱۰ھ میں اور بعض کے قول کے مطابق ۵۰۹ھ میں ہوئی۔ آپ کی وفات ۱۴ جمادی الثانی ۵۸۰ھ کو بدھ کی صبح کاذب کے وقت موصل میں ہوئی۔ جبکہ بعض نے تاریخ وفات ۱۳ جمادی الثانی بیان کی ہے۔(۲۹)

نظامیہ آمل

آمل طبرستان کے بڑے شہروں میں سے ایک ہے۔ عہد سلاطین میں اسے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔(۳۰) طبرستان کا مشہور شہر آمل بھی نظام الملک کی فیاضیوں سے محروم نہ رہا اور یہاں بھی اس نے ایک مدرسہ قائم کیا۔اس مدرسہ سے درج ذیل نمایاں شخصیات وابستہ رہیں:

ابوالمحاسن الرویانی: عبدالواحد بن اسماعیل ابوالمحاسن الرویانی، آپ طبرستان کے باشندے تھے۔ آئمہ شافعیہ میں سے تھے۔ ۴۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ سفر اختیار کیا اور ماوراء النہر تک پہنچ گئے۔(۳۱) آپ اپنے زمانے میں، مذہب، اصول اور خلاف کے آئمہ میں سے تھے۔ آپ نے ابوالحسین عبدالغافر ابن محمد الفارسی سے میافارقین میں اور ابوعبداللہ محمد بن بیان بن محمد الکازرونی سے سماع کیا اور فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی۔ زاہر بن طاہر الشحامی وغیرہ نے آپ سے روایت کی ہے۔ آپ کو بڑی عزت و جاہ حاصل تھی، نظام الملک طوسی آپ کے کمال فضل کی وجہ سے آپ کی بہت تعظیم کرتا تھا۔ آپ بخارا گئے اور مدت تک قیام کیا۔ غزنی اور نیشاپور آئے اور فضلاء سے ملاقات کی، ناصر مروزی کی مجلس میں حاضر ہوئے اور اس سے وابستہ ہوگئے اور حدیث کا سماع کیا۔ طبرستان میں مدرسہ آمل تعمیر کیا اور پھر ری منتقل ہوگئے اور وہاں پڑھایا۔(۳۲)

آپ نے مفید کتابیں تصنیف کیں، جن میں "البحر فی الفروع" بھی ہے جو غرائب وغیرہ کی جامع ہے۔ مثل مشہور ہے: "حدث عن البحر ولا حرج" یعنی البحر سے روایت کرو کوئی حرج کی بات نہیں۔ (۳۳)

آپ کی تصانیف میں "مناصیص الامام الشافعی"، "الکافی" اور "حلیۃ المومن" ہے۔ آپ نے اصول اور خلاف کے متعلق بھی کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کہتے تھے کہ اگر امام شافعی

کی کتب مل جائیں تو میں انہیں اپنے دل سے املا کرا دوں گا۔ (۳۴)

آپ ۵۰۲ھ میں جمعہ کے روز جو عاشورا کا دن تھا، جامع طبرستان میں مظلومانہ طور پر قتل کیے گئے۔ آپ کو طبرستان کے ایک باشندے نے قتل کیا۔ (۳۵) جبکہ ابن خلکان کا کہنا ہے کہ آپ کو ۱۱ محرم ۵۰۲ھ کو جمعہ کے روز آمل کی جامع مسجد میں ملاحدہ نے قتل کیا۔ (۳۶)

ابوجعفر الملا رزی محمد بن علی بن محمد: محمد بن علی بن محمد بن شہیر وز بن ماحیا الملا رزی الطبری ابوجعفر، الفقیہ الشافعی، آپ نے طبرستان میں فقیہ ابوالمحاسن الواحد بن اسماعیل رویانی سے، نیشاپور میں علی بن عبداللہ ابی صادق الحیری اور ابوبکر عبدالغفار بن محمد الشیر وی سے، اور مکہ المکرمہ میں قاضی مکہ ابونصر عبدالملک بن ابی مسلم بن ابی نصر النہاوندی سے سماع کیا۔ پھر آپ بغداد آئے، نظامیہ میں قیام کیا اور اپنے وقت کے شیوخ سے بہت سماع کیا۔ آپ صادق، فاضل، متدین اور احسن طریق پر تھے۔ آپ نے اپنی کتابیں نظامیہ کو وقف کیں۔ ۵۱۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۳۷)

ہبۃ اللہ بن سعد رویانی: ہبۃ اللہ بن سعد رویانی، آمل طبرستان کے رہنے والے تھے۔ ابوالمحاسن رویانی کے پوتے تھے۔ حافظ قرآن تھے۔ آپ نے نظامیہ آمل میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ ۵۲۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۳۸)

__نظامیہ بصرہ__

عراق عرب میں بغداد کے بعد دوسرا اہم شہر بصرہ ہے۔ فاروق اعظمؓ کے عہد میں آباد ہوا۔ "بصرہ" کے لفظی معنی ہیں "سیاہ سنگریزے"۔ چونکہ یہاں ایسے سنگریزے تھے، لہٰذا یہ نام رکھ لیا گیا۔ (۳۹) بصرہ ہی وہ مقام ہے جہاں عربی صرف و نحو نے جنم لیا۔ عربی علم عروض اور موسیقی کی بھی یہیں سے ابتداء ہوئی۔ (۴۰)

بصرہ عہد اسلامی میں علم و فن کا ایک بڑا مرکز تھا۔ یہاں بھی نظام الملک نے مدرسہ قائم کیا تھا۔ اس کی عمارت وسعت میں بغداد کے نظامیہ سے بڑی تھی۔ یہ مدرسہ حضرت زبیر بن العوامؓ کے مزار کے متصل تھا۔ (۴۱) آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ ( ) کے عہد میں یہ مدرسہ برباد ہوا اور اس کا تمام سامان بغداد منتقل ہوگیا۔ (۴۲)

نظامیہ بصرہ کے شیوخ میں محمد بن قیان اجاری قابل ذکر ہیں۔

محمد بن قیان اجاری: مدرسہ نظامیہ بصرہ کے مدرسین میں سے ایک محمد بن قان بن حامد بن طیب معروف بہ ابوالفضل اجاری تھے۔ آپ نے نظامیہ بغداد میں شیخ ابو اسحاق شیرازی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اور نظامیہ بصرہ میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ ۵۴۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۴۳)

__نظامیہ ہرات__

افغانستان کے حد شمالی پر ہرات واقع ہے۔ عہد سلجوقیہ میں یہ شہر صوبہ خراسان میں بہت مشہور تھا۔ ہرات کا شہر مغلوں کے حملہ سے پہلے خراسان کے چار بڑے اور عمدہ شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ یاقوت نے ۶۱۷ھ میں ہرات شہر دیکھا اور اسے خراسان کے اہم شہروں میں قرار دیا۔ وہ لکھتا ہے:

> "میں نے اس سے زیادہ صاف اور وسیع شہر نہیں دیکھا۔ خاص طور پر کہ یہ شہر علماء و فضلاء کے وجود سے پر تھا۔ مگر افسوس کہ کافر مغلوں نے ۶۱۸ھ میں اس پر حملہ کیا اور اسے ویران کر دیا۔" (۴۴)

خواجہ نظام الملک نے جب مدرسہ نظامیہ ہرات کی بنیاد رکھی تو منصب تدریس کے لیے محمد بن علی بن حامد (م ۴۹۵ھ) کو غزنین سے طلب کیا۔ (۴۵) مدرسہ کے دیگر اساتذہ میں ابوسعد محمد بن یحییٰ معروف ہیں۔

ابوسعد محمد بن یحییٰ: ابوسعد محمد بن یحییٰ بن ابی منصور نیشاپوری، الملقب محی الدین، الفقیہ الشافعی، متاخرین کے استاد اور علم و زہد کے لحاظ سے ان میں یکتا تھے۔ آپ نے حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی اور ابوالمظفر احمد بن محمد الخوافی سے فقہ سیکھی، اور فقہ میں کمال حاصل کیا۔ آپ نے مدرسہ نظامیہ نیشاپور اور نظامیہ ہرات میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ (۴۶)

نویں صدی ہجری کے مشہور شاعر، مصنف اور صوفی بزرگ مولانا عبدالرحمٰن جامی (م ۸۹۸ھ) کی مدرسہ نظامیہ ہرات میں تحصیلات اس علمی و تعلیمی مرکز کی کارکردگی کے دوام پر دلالت کرتی ہیں جو چار صدیوں (یعنی ابتدائے قیام مدرسہ سے لے کر اس زمانہ تک) پر پھیلی

ہوئی ہیں۔(۴۷)

نظامیہ بلخ

بلخ،خراسان کا ایک قدیم شہر ہے۔یہ شہر منگولوں کے حملے سے پہلے خصوصاً پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں علوم و معارف اسلامی کے بڑے مراکز میں سے ایک تھا۔مدارس کے وجود اور علماء،شعراء و فضلاء کی کثرت نے اس شہر کو خاص رونق و اعتبار بخشا تھا۔(۴۸)

ابن حوقل شہر اور اس کے گردو نواح کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''یہ بہت پرانا شہر ہے اور ہمیشہ سے معروف ہے۔سوداگر یہاں ہر طرف سے آتے اور ہر طرح کا سامان تجارت لاتے ہیں۔یہاں کے باشندوں کا علمی ذوق بہت بلند ہے اور انھوں نے اپنے آپ کو فقہ اور علمی مباحث میں ممتاز کیا ہے،چنانچہ ان میں سے بہت سوں کا شمار ناموروں میں ہے۔''(۴۹)

نظام الملک نے یہاں بھی مدرسہ نظامیہ قائم کیا۔مدرسہ نظامیہ بلخ بہت مشہور ہوا اور صدیوں تک قائم رہا۔نظامیہ بلخ کے اساتذہ میں سے بعض یہ ہیں:

ابو علی حسن بن علی وخشی بلخی: آپ حدیث و فقہ پر عبور رکھتے تھے۔خواجہ نظام الملک کی بلخ آمد پر ابو علی سے خواجہ کا تعارف ہوا۔خواجہ نظام الملک نے انہیں مدرسہ میں بٹھایا اور سنن ابو داؤد اور دیگر کتب ان کے سامنے پڑھیں۔خود ابو علی وخشی کا کہنا ہے کہ خدا نے خواجہ نظام الملک کو یہ توفیق بخشی کہ اس نے یہ مدرسہ بنایا،میں نے وہاں قیام کیا اور املائے حدیث میں مشغول ہوا۔(۵۰)

عبداللہ بن طاہر اسفرائنی: آپ آئمہ اصول و فروع میں سے تھے،صاحب جاہ و مال اور صاحب وجاہت و سخاوت تھے۔آپ نے بلخ میں قیام کیا اور مدرسہ نظامیہ بلخ میں مدرس کے فرائض انجام دیے۔۴۸۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۵۱)

ابوالمحاسن محمد بن ابوالقاسم عبداللہ بن طاہر: آپ نے اپنے والد عبداللہ بن طاہر کی وفات کے بعد نظامیہ بلخ میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔۵۰۲ھ میں آپ کا انتقال

ہوا۔(۵۲)

ابو حفص،عمر بن احمد بن لیث طالقانی: آپ بلخ کے صوفیاء و فقہاء میں سے تھے۔ آپ نے نظامیہ بلخ میں معید کے فرائض انجام دیے۔۵۳۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۵۳)

ابو سعد،آدم بن احمد بن اسد ہروی: آپ اہل ہرات میں سے تھے۔آپ نے بلخ میں اقامت اختیار کی۔نحویوں اور لغویوں سے مناظرے کیے۔اچھے شاعر و ادیب تھے۔نامور ادیب و شاعر رشید الدین وطواط نے نظامیہ بلخ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تعلیم حاصل کی۔۵۳۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۵۴)

ابوالفتوح نصر اللہ بن منصور بن سھل الدروینی: آپ نظامیہ بغداد میں امام غزالی کے درس میں شریک ہوئے،(۵۵) پھر خراسان چلے گئے۔جہاں نیشاپور اور مرو میں تعلیم حاصل کی، آخر کار بلخ پہنچے اور نظامیہ بلخ میں رہائش اختیار کرلی۔۵۴۶ھ میں وہیں آپ کا انتقال ہوا۔(۵۶)

رشید الدین وطواط ، سعد الملک محمد بن محمد عبدالجلیل: رشید الدین وطواط،دربار آتسز خوارزم شاہ کا مشہور شاعر اور ادیب تھا۔آپ نے نظامیہ بلخ میں ابو سعد،آدم بن احمد بن اسد ہروی سے تعلیم حاصل کی۔(۵۷)

نظامیہ جزیرہ ابن عمر

شہر موصل سے تین دن کی مسافت پر یہ جزیرہ واقع ہے۔یہ جزیرہ حسن بن عمر بن خطاب تغلبی سے منسوب ہے۔(۵۸) بعد میں اس سے نسبت رکھنے والے علماء و ادباء ''جزری'' کہلائے۔''الکامل فی تاریخ'' کے مصنف علامہ ابن اثیر یہاں کے مشہور علماء میں سے تھے۔(۵۹)

جزیرہ کے صوبہ میں ''جزیرہ ابن عمر'' جیسے چھوٹے اور غیر اہم مقام پر بھی نظامیہ کی شاخ موجود تھی۔ابو شامہ نے ''الروضتین'' میں لکھا ہے کہ'' نظام الملک کے قائم کے ہوئے مدرسے ساری دنیا میں مشہور ہیں،کوئی قریہ ایسا نہیں ہے جہاں اس نے مدرسہ قائم نہ کیا ہو۔ یہاں تک کہ جزیرہ ابن عمر میں بھی (جو دنیا کے آخری سرے پر واقع ہے اور اس کی آبادی بھی کم

ہے) ایک بڑا مدرسہ قائم ہے جو رضی الدین کے نام سے منسوب ہے"۔(۶۰)

یاقوت نے ابن اثیر کے علاوہ یہاں کے مشہور علماء میں سے دو کا تذکرہ کیا ہے، جو بغداد سے تحصیل علم کے بعد اپنی جائے پیدائش یعنی جزیرہ ابن عمر لوٹے اور درس وتدریس میں مشغول ہوئے۔ جن میں سے ایک ابوالقاسم عمر بن محمد بن عکرمہ الجزری (۵۶۰ھ) ہیں، جنہوں نے بغداد میں تعلیم حاصل کی اور پھر واپس لوٹ کر درس وتدریس میں مشغول ہوئے۔ دوسرے ابوطاہر ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الجزری (م ۵۷۷ھ) ہیں، جو ابن الشاشی کے اصحاب میں سے تھے۔(۶۱)

نظامیہ خرگرد (خواف)

خواف خراسان کا ایک وسیع علاقہ ہے جو نیشاپور کے قریب ہے۔(۶۲) یہ دو سو دیہات اور تین شہروں سنجان، سیراوند، اور خرجرد (خرگرد) پر مشتمل ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت اس علاقے کی طرف منسوب ہے۔ ان میں سے ایک ابوالمظفر احمد بن محمد الخوافی (م ۵۰۴ھ) ہیں جو طوس کے قاضی اور امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی کے ساتھیوں میں سے تھے۔(۶۳)

کسی بھی قدیم مصدر میں اس جگہ نظامیہ کے ہونے کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا۔ اس بارے میں صرف ایک معتبر ثبوت ہے اور وہ ہے مدرسہ کے خراب شدہ دیوان کا ایک حصہ اور منقش (اینٹوں کا بنا ہوا) کتبہ جو ابھی تک باقی ہے۔(۶۴) کتبہ کا متن یوں ہے:

(حسن بن علی) "......بن اسحاق رضی امیر المومنین
اطال اللہ...."

نظام الملک کے نام کا پہلا حصہ "حسن بن علی" کتبہ سے گر چکا ہے۔ مذکورہ کتبہ آثار قدیمہ کے سلسلہ میں کی جانے والی کھدائیوں کے نتیجے میں مٹی کے تودوں کے نیچے سے ہاتھ لگا۔ یہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا اور ماہرین کی رائے کے مطابق ایک افتادہ دیوار سے الگ ہو گیا تھا۔ اسے ایران کے آثار قدیمہ کے عجائب گھر واقع تہران میں منتقل کر دیا گیا۔(۶۵)

نظامیہ رے

اس کے باوجود کے رے عہد سلجوقی میں سیاسی وعلمی مرکز رہا، لیکن خواجہ نظام الملک

کے قائم کردہ نظامیہ رے کے بارے میں ہمیں معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ سوائے اس کے کہ اس کے مدرسین میں سے ایک ابوالقاسم مروآبادی منصور بن طاہر بن عبداللہ تھے۔ آپ امام الحرمین الجوینی کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ نظام الملک نے آپ کو نظامیہ رے میں تدریس کے لیے بھیجا۔ ایک عرصے تک آپ نے رے میں قیام کیا۔ ۴۸۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔(۶۶)

حوالہ جات

۱۔ دیکھیے راقم کا مقالہ: مدرسہ نظامیہ بغداد کا علمی وفکری کردار (غیر مطبوعہ)، شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی، ۲۰۰۹ء، صفحات ۲۹۲

۲۔ دیکھیے: سہ ماہی التفسیر، ج ۲، ش ۱۶، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء، ص ۵۳_۶۹

۳۔ نور اللہ کسائی، ڈاکٹر، "مدارس نظامیہ و تاثیرات علمی و اجتماعی آن"، چاپخانہ سپہر، تہران، چاپ دوم، ۱۳۶۳ء، ص ۱۷

۴۔ ناصر خسرو، ابو معین حمید الدین، سفرنامہ ناصر خسرو، تہران، چاپ دوم، ص ۱۲۳

۵۔ ابن بطوطہ، "سفرنامہ ابن بطوطہ"، اردو ترجمہ: رئیس احمد جعفری، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع اول، ۱۹۶۱ء، ص ۲۵۷

۶۔ جلال الدین ہمائی، "غزالی نامہ"، انتشارات فروغی، تہران، طبع دوم، ص ۱۵۰

۷۔ نصر احمد پھلواری، "امام الحرمین عبدالملک جوینی"، مشمولہ: ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، دسمبر ۱۹۸۰ء، ص ۴۱۷۔ بحوالہ: محاسن اصفہان، ص ۱۰۳

۸۔ جلال ہمائی، غزالی نامہ، ص ۱۵۰

۹۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء، ج ۸، ص ۲۱۹

۱۰۔ جلال ہمائی، غزالی نامہ، ص ۱۵۰

۱۱۔ عماد الدین ابی الفداء اسماعیل ابن عمر بن کثیر، "البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ"، مطبعۃ السعادۃ مصر، ت ن، ج ۱۲، ص ۲۱۲

۱۲۔ ابن جوزی، عبدالرحمن، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، مطبعۃ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن الطبعۃ الاولی، ۱۳۵۹ھ، ج ۱۰، ص ۲۲۵

۱۳۔ ابن اثیر، ج ۸، ص ۳۲۴_۳۲۵

۱۴۔ السبکی، تاج الدین ابی النصر عبدالوہاب ابن تقی الدین: ''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ'' طبع اول، مطبعہ حسینیہ مصر، س ن، ج ۷، ص ۴۴

۱۵۔ ابن خلکان، ابی العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر: ''وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان''، تحقیق: احسان عباس، ڈاکٹر، منشورات الرضی قم، ۱۳۶۴ھ، ج ۱، ص ۱۳۴

۱۶۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۲۰۵

۱۷۔ عماد اصفہانی، محمد بن محمد بن حامد، خریدۃ القصر و جریدۃ العصر، مصر، س ن، ج ۲، ص ۱۸۹

۱۸۔ جلال ہمائی، غزالی نامہ، ص ۱۵۰

۱۹۔ نور اللہ کسائی، مدارس نظامیہ، ص ۲۲۰

۲۰۔ یاقوت، شہاب الدین ابو عبداللہ حموی، معجم البلدان، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت، س ن، ج ۵، ص ۱۱۲

۲۱۔ نور اللہ کسائی، مدارس نظامیہ، ص ۲۲۰ ۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۰۷۔۲۰۸

۲۴۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۳۲۲

۲۵۔ یاقوت، معجم البلدان، ج ۲، ص ۳۳۹

۲۶۔ البلاذری، ابی الحسن احمد بن یحییٰ بن جابر، فتوح البلدان، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء، ص ۳۳۱ تا ۳۳۲

۲۷۔ السبکی، طبقات شافعیۃ الکبریٰ، ج ۶، ص ۹۷

۲۸۔ ابن خلکان، ج ۲، ص ۴۳۶ ۲۹۔ ایضاً، ص ۴۴۷

۳۰۔ یاقوت، معجم البلدان، ج ۱، ص ۵۷

۳۱۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۷۰

۳۲۔ ابن خلکان، ج ۳، ص ۱۹۸

۳۳۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۷۱

۳۴۔ ابن خلکان، ج ۳، ص ۱۹۸

۳۵۔ ابن کثیر، ج ۱۲، ص ۱۷۱

۳۶۔ ابن خلکان، ج ۳، ص ۱۹۹

۳۷۔ صفدی، صلاح الدین خلیل بن ایبک، ''الوافی بالوفیات''، دارالنشر شتاینر، ویسبادن آلمان، ۱۹۶۱ء، ص ۱۲۰

۳۸۔ السبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج ۶، ص ۳۲۶

۳۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب، لاہور، طبع اول، ۱۹۶۹ء، ج ۲، ص ۵۷۸

۴۰۔ R. A. Nicholson, A Literary History of the Arabs, Cambridge University Press, 1962, p.343

۴۱۔ ذہبی، شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان، ''تذکرۃ الحفاظ، معارف السلف''، مطبعہ معارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۳۳۳۔۱۳۳۴ھ، ص ۲۷۱

۴۲۔ عبدالرزاق کانپوری: ''نظام الملک طوسی''، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع دوم، ۱۹۹۰ء، ص ۵۳۶

۴۳۔ السبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج ۶، ص ۱۷۵

۴۴۔ یاقوت، معجم البلدان، ج ۲، ص ۲۷۱ ۴۵۔ عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی، ص ۵۳۶

۴۶۔ ابن خلکان، ج ۲، ص ۲۲۳ ۴۷۔ نور اللہ کسائی، مدارس نظامیہ، ص ۲۲۶

۴۸۔ ایضاً، ص ۲۳۲ ۴۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲، ص ۷۵۹۔۷۶۰

۵۰۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج ۳، ص ۳۲۳ ۵۱۔ السبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج ۵، ص ۹۳

۵۲۔ الاسنوی، جمال الدین عبدالرحیم، طبقات الشافعیۃ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۹۸۲ء، ج ۱، ص ۱۹۸

۵۳۔ السبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج ۷، ص ۲۰۴

۵۴۔ یاقوت، شہاب الدین ابو عبداللہ حموی، معجم الادباء، مصر، ۱۹۲۳ء، ج ۹، ص ۱۰۱

۵۵۔ اسنوی، طبقات الشافعیۃ، ج ۱، ص ۴۵۷

۵۶۔ ناجی معروف، علماء النظامیات و مدارس المشرق الاسلامی، مطبعۃ الارشاد، بغداد، ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء، ص ۷۰ ۵۷۔ جلال ہمائی، غزالی نامہ، ص ۱۲۹

۵۸۔ یاقوت، معجم البلدان، ج ۲، ص ۵۷ ۵۹۔ ایضاً

۶۰۔ ابو شامہ، شہاب الدین عبدالرحمٰن، ''الروضتین فی اخبار الدولتین النوریہ والصلاحیہ''، تحقیق: محمد حلمی، قاہرہ، ۱۹۵۶ء، ج ۱، ص ۲۴

۶۱۔ یاقوت، معجم البلدان، ج ۳، ص ۵۷

۶۲۔ ابن کثیر، ج ۱۴، ص ۱۶۸

۶۳۔ یاقوت، معجم البلدان، ج ۲، ص ۲۵۵

۶۴۔ نور اللہ کسائی، مدارس نظامیہ، ص ۲۳۸، بحوالہ: عالی، تاریخ نیشاپور، ص ۴۸

۶۵۔ ایضاً ۶۶۔ ایضاً، ص ۴۳۹

Early Arabic Literary Criticism

Dr. Mohammad Abu Tayyub Khan

Abstract

This paper is designed to give a brief survey of the origin and development of Arabic literary criticism right from the Pre-Islamic age down to the end of the Umayyad era. It surveys different trends that were published under review.

The Arabs were less critic. This maxim holds true in respect of their history, biography, human behaviour and social conditions. But other than these, they were more inclined towards criticism than any other nation. So far as the craftsmanship of literature is concerned, they began criticism of poetry, prose and history successively (Zaydan 1967: 1, 551). In the present paper an attempt has been made to give a brief survey of the origin and development of Arabic literary criticism right from the Jahiliyyah or Pre-Islamic age (which covers more than a century from about 500 A.D) to the end of the Umayyad period (661-750 A.D)

ARABIC LITERARY CRITICISM

Arabic literary criticism[1] has a long history and it seems to go back as far as the beginning of Arabic literature itself. Literary criticism was extant in Arabic during the *Jahiliyyah* or Pre-Islamic age, though it was simple and bland, which suited Arabic poetry. The poetry of Pre-Islamic age was nothing but an expression of immediate feeling and criticism, too so based on the excitability and sensitivity (*Ibrahim 1937: 24*).

There were two trends in the criticism of the Pre-Islamic age. One is to pass a judgment on a poem. Here in a critic gives attention to the form,

theme and structure of the poem. The other is to pass judgment on poets, compare them and prefer one to other on the basis of their merits and demerits and entitle some of their odes (*Qasidah*) through comparism (Yusuf 1987: 46).

The ancient historians of Arabic literature referred to the observations made by literary critics, specially in the Annual Tournaments at 'Ukaz Fair near Taif and other Seasonal Assemblies or markets (*Aswaq*), literary Sittings—special and general—in the courts of the Arab Kings of Hira and Ghassan and elsewhere. In those places the poet used to gather to present their poems and the judges or critics used to choose the best poem or poems in accordance with certain principles. There is a legend that each of the poems awarded annual prize at the 'Ukaz Fair was inscribed in golden letters and having against the walls of the Ka'bah (Hitti 1953:93). Hence they are called Mu'allaqat or suspended poems. Of course, this legend is vehemently denied by the modern scholars.

These literary competitions where poets vied with one another in composing poems and their appreciation therein, motivated them to make their words and contents stable resulting in the advancement of literary criticism. The Quraish had an important role to play in the progress of criticism. The poems accepted or rejected by them were the accepted and rejected respectively by other tribes, as they (Quraish) occupied very high position as critic. They had the privilege to choose the best words and styles compatible to what they had at their disposal and hence their language became more acceptable to people than that of other tribes. So, the poets in general composed their poems in the language of the Quraish (Amin 1967:348).

There are numerous instances in the historical and biographical sketches of Pre-Islamic poets whose verses have been openly criticized for one reason or the other. In the 'Ukaz Fair a red tent of skin was put up for the poet al-Nabigah al-Dhubyani (died about 604 A.D) and the poets would go there and present their poems before him for appreciation. Once al-A'sha Abu Basir recited his poem followed by Hassan b. Thabit, then all other poets did the same in their turn. Lastly, al-Khansa al-Sulmyyah presented herself there and recited her poem. Al-Nabigah said, "By Allah, had Abu Basir not recited to me a bit earlier, I would

certainly remark thant you (al-Khansa) are the greatest of all poets of geni and man (*Ibn Qutaybah 1966: 344*).

It is well known that Imru'ul-Qays and 'Alqama vied with each other in extempore versification. Once Imru'ul-Qays recited the following couplet:

فللوط الهوب وللساق درة ـ وللزجر منه وقع اخرج مهذب

[(The horse is so swift when it runs) the whip blazes and the shanks remain momentum, and the rebuke is very effective for him. The horse is coloured with black and white and well disciplined.]

And 'Alqama recited:

فادركهن ثانيا من عنانه ـ يمركمر الرائح المتحلب

[(The horse is so swift that) it attained then (caravan) while it was folding with bridle and it passes like an evening cloud which sheds rain.]

The couplets were referred to the wife of Imru'ul-Qays for her opinion. She gave her verdict in favour of 'Alqama on the ground that the qualities of the horse, described by Imru'ul-Qays, were inferior to those described by 'Alqama, although both poets were equally efficient in diction, expression and style (*Tabana 1975: 54*).

Imru'ul-Qays was considered as the originator of a style of Qasidah (ode) and was praised for his command over unique descriptions, original similies and metaphors (*Ibn Sallam 1947: 27*). Similarly he was praised for his following elegant and charming verses (*Ibn Qutaybah 1966: 114*).

ومانرفت عيناك الا لتضربي ـ بسيميك فى اعشار قلب مقتل

[And your (poet's beloved) eyes did not shed tears but only to attack my pierced heart with your two arrows (eyes)].

In the like manner, he was severely criticized for the verse such as:

فتوضع فالمقراة لم يعف رسمها ... وهل مندرسم دارش من معول

[Then Tawdah and Miqrate (two places) whose sings have not been obliterated..., And is there any relying on obliterated signs... ?] since the second verse contradicts the first. And in the couplet:

اذا ما الشريافى السماء تعرضت . تعرض اثناء الوشاح اليفصل

[(He went to her) when the Pleiades came across the sky like a Woman's belt studded with gems].

Imru'ul-Qays was criticized for the reason that it is the Gemini and not the Pleiades that comes across the sky after midnight.
The above mentioned critical observations indicate that not only diction and style were taken into account but also the poets realism and correct knowledge of the subject were considered in passing judgment on his verse (*Khan 1962-63: 61*).

Though most of the critical narratives of the pre-Islamic age are not authentic but all of their foundations are genuine which denotes the primary taste of criticism of the period. It is natural that the literary criticism followed this way in the first stage. Criticism followed the poetry as the first poet was followed by the first critic. Arabic poetry in pre-Islamic age, in nutshell, was more attribute to perceptibility and to exuberance of feeling than with prudence and thought. The poet composed poems, under controlled exuberance of his thought, and the critic was also guided by his perceptibility (*Amin 1967: 385*).

That was the reason that criticism was neither based on the artistic principles nor was it based on coordinated and matured taste. It was partial and natural, accruing from excitement of feeling and natural taste. This simple type of criticism remained in its primary stage for a long time in the Islamic period till it was founded on the established principles based on the scientific analysis. (Ibid: 385).

The second phase in Arabic literary criticism started with the advent of Islam and the revelation of the Holy Quran which was completely different from all existing forms of literature as it was neither poetry nor pure prose. The Holy Quran was destined to play an important role in the life of the Arabic language and literature and consequently in the enrichment of Arabic literary criticism (*Bakalla 1984: 260*).

The Prophet Muhammad (SM) was better than any one who paid attention to literary criticism and his was the new method compatible with the spirit of Islam and also with its teaching. His opinions about

poetry and the poets and practice with poetry and its criticism that has come down to us bears its testimony.[2] Reality and truth were the two criteria adopted by him in evaluating poetry and giving judgment on it. This was the method of criticism of followed by his four Caliphs as well as his other companions (*Yusuf, Ibid: 54-55*).

During the time of the pious Caliphs literary assemblies (*Majalis al-Adab*) were held in the mosques where poems were recited and evaluated. Besides the poets, the Caliphs and other literature loving people participated in these literary circles where discussions about the *Jahili* and *Mokhadram* poets also took place. Majlis (assembly) of Hassan b. Thabit is one of the famous examples of these assemblies. 'Abd Allah b. 'Abbas, a companion of the Prophet Muhammad (SM) was a distinguished literary personality and critic of that time (*Ibid: 61*).

The second Caliph 'Umar (R) was known for his appreciation and sound judgment of ancient and contemporary Arabic poetry. Once he made the follwing remark about the famous Pre-Islamic poet Zuhayr b. Abi Sulma (*Ibn Rashique 1972: 1,81*):
"He was the greatest poet of the Arabs, because he never inserted redundant words, always avoided the uncouth and unfamiliar words and diction in poetry and never praised a man except for his merit".[3]

'Umar grave preference to Zuhayr for the literary reasons found in the moulding of forms and coherence of thought. In moulding of forms Zuhayr avoided archaic and crude usages. In coherence of thought he refrained from praising anyone for any qualities that he did not possess.

So 'Umar was the first critic who considered the text in respect of moulding of forms and coherence of thought. I the likewise he was the first to set verdict of criticism on the distinct principles and in his hands criticism entered into a new phase (*Ibrahim 1937: 31*).

With some exceptions, which were brought about by the Prophet (SM) and his Caliphs and some of his companions, literary criticism remained unaltered in the early Islamic age. The Poetry of Hassan, Abdallah b. Abi Rawaha, al-Hutayya and the like, evoked considerable admiration from the people as the poetry of Zuhyr, A'sha and Nabigha did. The critical observations (of this time) did not divorce the expression of

individual opinion regarding Pre-Islamic and early Islamic poetry without having great difference between them. These observations came to the aid of forming a nucleus of critical movement in succeeding ages (*Siddique 1991: 245*).

Arabic literary criticism developed to a great extent in the Umayyad period (661-750 A.D) when the Arabs settled in the towns and cities of the non-Arab countries and were influenced by foreign civilizations in respect of material and intellectual aspects. The progress of research in different branches of knowledge such as grammar, philology and linguistics increased their interest in literature. Hence their literary taste in different field of literature developed (*Dayf 1979: 29*).

General as well as particular assemblies for literary criticism were held in the markets, Mosques, Palaces, dwelling houses in the Ummayyad period, where the poets, the rhapsodists, the grammarians, the Caliphs, the Ameers even the army personnels and all other literature loving people en-mass participated. 'Far from being confined to literary circles, the taste for poetry was diffused throughout the whole nation and was cultivated even amidst the fatigues and dangers of war' (*Nicholson 1962: 240*).

The most important place for literary discussions was 'Marbad' of Basra (or 'Ukaz of Islam whatever may be called). Here the circles of recitations and disputations as to who was the best poet among the poets, were held. Marbad left two vast collections of poetry for the posterity. One is: *al-Naqa'id* (Vituperations/Flytings), like Naqa'id of Jarir (d.728) and al-Farazdaq (d.728) and Naqa'id of Jarir and al-Akhtal (d. 712). The second is: *al-Arajiz* or Rajaz poems (poems composed in the meter 'Rajaz'), like the Arajiz of al-'Ajjaj (d.708) and that of Abu Najam and of R'uba b. al-'Ajjaj (d.762). In addition to aforesaid collections, the other huge collection of poetry was there whose importance was not less and their bulk and volume was not fewer then those of the Naqa'id and Rajaz poems.

The poets themselves were more important critics in the Umayyad period. Along with the poets, Ibn Abi 'Atique and Sukayna bint al-Hosain of Madina became famous in criticism of poetry. Ibn Abi 'Atique was renowned for his evaluation of poems of famous

contemporary poet 'Umar bin Abi Rabi'a (d.719). Sukayna used to participate in assemblies of poetic discussions where aristocrats of the Quraish also remained present to equally share in literary criticism. The assemblies of Sukayna at Madina were more resembling the assemblies of literary criticism of most modern nations of the present time (*Zaydan, ibid: 551*).

Abdul Malik b. Marwan earned name and fame as critic among the Caliphs. He had intrinsic and subtle literary taste. The poets would come to him with their panegyrics. He would straighten them most beautifully and evaluate them with his witty and sharp sense (*Amin, ibid: 395*).

Beyond all doubts, that the basis of unregistered literary criticism related to the pre-Islamic and Umayyad period was nothing but Arabic poetry. Besides the judgments and critical observations of recongised literary critic, scholars and litterateurs, Arabic literature has also preserved critical statements of the laity who got together among the scholars to various poetic recitations and discussions.

The most prominent poets of the Umayyad period are Jarir, al-Farazdaq and al-Akhtal. Once when jarir, reciting his *Qasida-i-ainyyah* to the Caliph Abdul Malik, reached the following verses:

وتقول بو زع قد د يت على العصا . هلا هزئت بغير تليا بوزع

The Caliph remarked that he (Jarir) spoiled his finest verses by including the odd names (*Ibn Qutaybah, ibid: 70*).

On another occasion, when al-Akhtal was asked to declare who was the better of the two poets–al-Farazdaq or Jarir – he replied that the former 'cuts the stone and the latter takes water from the ocean'[4] (*Dayf, ibid: 35*). And when Jarir was asked about al-Akhtal he said that latter was the best poet of them at praise of kings and description of wine and woman[5] (*Ibn Qutaybah, ibid: 467*).

In the like manner al-Farazdaq passed the verdict on Nabigah Ja'dis poetry that it was a mixture of the highest as well as the lowest specimen[6] (Dayf, ibid:34).

These critical remarks, quoted above for instance, are not mere subjective statements based on individual taste, whim and fancy. If these considered vies about the characteristics of different poets and nature of their poetry are analysed they would indicate that, besides forms and expression, diction and style, emotion, imagination and thought of the poets were also taken into consideration. These critics knew the value of these basic elements of literature and they determined the poet's position on this basis.

It is observed that two groups of literary critics lived side by side from the last part of the seven century. One group consisted of litterateurs namely the poets, the Caliphs, the Ameers and some of the multitudes having literary taste, and the other was a group of scholars like linguistics and grammarians who were inspired by the new Islamic spirit. A new Technique of literary criticism with a sort of objective criteria, based on the principles and fundamental rules of language and grammar, developed in their hands (*Ibrahim, ibid: 49*). The most famous of these scholarly critics are Yahya b. Ya 'mar al-Basri, 'Umbasah al-Fil, Abu 'Amar b.al-'Ala and Abu Ishaque al-Hazrami (*Yusuf, ibid: 80*).

In nutshell, this grammatical scientific criticism came into being in the last part of the Umayyad period. With commencement of the Abbasid period (750-1285) the stems of knowledge spread, the literary criticism became influenced by science and literary taste turned its course towards rules and principles and hence the criticism altered its way from subjectivity to objectivity.

Notes:

1. The term 'Literary Criticism' is used here to cover the field of literary appreciation, analysis, judgment and comparison of literary tests in terms of theory as well as its practice (*Bakallah 1984: 260*).
2. As the Prophet (SM) says:

ان من الشعر لحكمة ،انما الشعر كلام فمن الكلام حبيث وطيب ، انما الشعر
كلام مؤلف فما وافق الحق منه فهو حسن ومالم يوافق الحق منه فلا خير
فيه، و اصدق كلمة قالها شاعر قول ليسيد" الا كل شئى ما خلا الله باطل.

(*Ibn Rashique 1972: 1,27; Zaydan 1967: 1, 190*).